اقبالؔ کیسے علاّمہ سے سر ہو گئے

ڈاکٹر سید تقی عابدی

حکومت انگلستان نے یکم جنوری ۱۹۲۳ء کو علامہ اقبالؔ کی علمی اور فرہنگی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے انھیں سر کا خطاب دیا' چنانچہ ۱۷ جنوری ۱۹۲۳ء کو شام کیچ ار بجے مقبرہ جہانگیر' شاہ باغ' لاہور میں پرشکوہ محفلِ ضیافت برگزار ہوئی۔ اس محفل کی صدارت پنجاب کے گورنر Sir E. Mclagen نے کی۔ اس محفل میں ملٹری کمانڈروں کے علاوہ سرجان منیارڈ' میاں فضل حسین وزیر تعلیم و آموزش' لالہ ہرکشن لال وزیر انڈسیز نواب میر فتح علی خاں' میاں احمد یار خاں' سر ذوالفقار علی خاں' راجا نریندر ناتھ اور چودھری شہاب الدین شامل تھے۔ یونیورسٹیوں اور مدارس کے مختلف اساتذہ اور طالب علموں کے ساتھ ساتھ خاصی تعداد میں ہندوستانی یوریورپائی خواتین بھی اس بزم میں شریک تھیں۔ اس محفل میں شرکت دعوت نامہ پر منحصر تھی۔ ضیافتِ شام کے بعد طالبِ علموں نے علاّمہ اقبالؔ کی نظم ''ترانہ ہندی'' پڑھی۔

سر ذوالفقار علی خان نے اپنی تقریر میں علاّمہ اقبالؔ کی علمی' ادبی' سماجی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ برصغیر میں رابندر ناتھ ٹیگور کے نوبل پرائز کے بعد دوسری شخصیت' جس کی خدمات کا صحیح اعتراف کیا گیا ہے' وہ علاّمہ اقبالؔ ہیں۔ علاّمہ اقبالؔ نے انگریزی زبان میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ مغربی حکومتیں اس دور میں علومِ مشرقیہ پر توجہ کر رہی ہیں' چنانچہ مجھے یہ خطاب دے کر حکومت انگلستان نے اردو اور فارسی کے ادیبوں کی قدردانی اور ان کا احترام کیا ہے۔ علاّمہ اقبالؔ نے ۲۴ جنوری ۱۹۲۳ء کو مہاراجا کشن پرشاد کو خط میں لکھا تھا کہ سر کا خطاب مجھے ''اسرارِ خودی'' کے اشعار سے متاثر ہو کر دیا گیا ہے۔ ان اشعار کا ترجمہ انگریزی میں ہو چکا ہے اور یورپ اور امریکہ میں ان اشعار پر تفسیریں اور تبصرے کیے گئے ہیں۔ اگرچہ پنجاب کے چیف جسٹس سر شادی لال نے کچھ مہینے قبل علاّمہ اقبالؔ سے کہا تھا کہ میں آپ کو سر کے خطاب کے لائق سمجھتا ہوں اور اس کے لیے حکومت انگلستان سے پیش نہاد کرنا چاہتا ہوں' تو علاّمہ اقبالؔ نے فوری جواب دیا تھا کہ مجھے اس خطاب کی آرزو نہیں ہے' اور خاص طور پر اس ضمن میں آپ کو زحمت نہیں دینا چاہتا۔ تاریخی دستاویز سے یہ بات ظاہر ہے کہ جسٹس شادی لال کو علاّمہ اقبالؔ سے خصومت تھی اور وہ علاّمہ کی بڑھتی ہوئی شہرت سے خوش نہ تھے' چنانچہ جب شادی لال کو معلوم ہوا کہ حکومت انگلستان نے علاّمہ اقبالؔ کو سر کے خطاب کے لیے انتخاب کر لیا ہے' تو وہ اپنی چابک فکری سے اس کام کا سہرا اپنے سر لینا چاہتے تھے' جس کو علاّمہ نے فوری رد کر دیا' لیکن بعد میں گورنر پنجاب Sir Mclagen کے اصرار پر اس خطاب کو اس لیے قبول کیا کہ یہ خطاب صرف علمی اور ادبی خدمت کے اعتراف کے طور پر دیا جا رہا تھا۔ علاّمہ اقبالؔ نے اس خطاب کو قبول کرنے سے قبل یہ شرط بھی رکھی کہ پہلے ان کے استاد محسن مولوی سید میر حسن کی خدمات کی قدردانی' شمس العلما کا خطاب دے کر' کی جائے۔ گورنر پنجاب کے سوال پر کہ مولوی میر حسن کی کتنی تصانیف ہیں' علاّمہ نے کہا کہ مولوی میر حسن نے ابھی تک کوئی کتاب نہیں لکھی' لیکن میں مولوی میر حسن کی زندہ تصنیف و تالیف ہوں۔ علاّمہ اقبالؔ نے مزید کہا کہ اس خطاب کو عطا کرتے وقت انھیں لاہور آنے کی زحمت نہ دیں' کیونکہ وہ ضعیف ہیں اور سفر میں زحمت ہو سکتی ہے' چنانچہ شمس العلما کا خطاب مولوی میر حسن کے فرزند کے سپرد کیا گیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ علاّمہ کو یہ خطاب اس وقت دیا گیا جب کہ خاص و عام ان خطابات کو مشکوک نظر سے دیکھتے تھے' علاّمہ کے بعض دوست بھی اسے پسندیدہ نگاہوں سے نہیں دیکھتے تھے' چنانچہ لوگ اپنی فکر و ہمت کے پیمانوں پر علاّمہ کو تولنے لگے کہ اب اقبالؔ وہ نہیں رہیں گے۔ عبدالمجید سالک' مصنف ''ذکرِ اقبالؔ'' لکھتے ہیں اس خطاب پر احتجاج کرتے ہوئے مولانا ظفر علی خان نے کچھ معترضانہ اشعار لکھے اور مجلّہ ''زمیندار'' میں شائع کیے جو زبانِ زدِ عام ہو گئے:

لو ! مدرسہ علم ہوا قصرِ حکومت
افسوس! کہ علاّمہ سے سرہوگئے اقبالؔ
پہلے تو سر ملت بیضا کے تھے وہ تاج
اب اور سنو! تاج کے سر ہوگئے اقبالؔ
کہتا تھا یہ کل، ٹھنڈی سڑک پر کوئی گستاخ
سر کی دہلیز پر سر ہوگئے اقبالؔ

اقبالؔ کے دوست جناب عبدالقادر گرامی جالندھری جنھوں نے اقبالؔ کے فارسی اشعار پر اصلاح دی، وہ بھی پہلے ناراض ہوگئے اور کہا:

کرد اقبالؔ را حکومت سرد
عقلِ علاّمہ سوخت سوختہ بہ

لیکن چند سال بعد مطمئن ہوکر یہ اشعار لکھے اور اقبالؔ کو سراہا:

ہر نکتہ علاّمہ وفا آہنگ است
ہر حرف کلید و حکمت فرہنگ است
اقبالؔ کہ اقبالؔ شد از جوبرِ علم
حاسد اور کند علا جش سنگ است

علاّمہ اپنے قدیم دوست میر غلان نیرنگؔ کے خط کے جواب میں لکھتے ہیں کہ قسم اللہ کی! جس کے ہاتھ میری جان اور آبرو ہے اور اس کے اس رسول اکرم ﷺ کی، جس کے ارشادات سے میں خدا پر ایمان لایا اور مسلمان ہوا، دنیا کی کوئی بھی طاقت مجھے حق کہنے سے باز نہیں رکھ سکتی۔ اگر اقبالؔ کی ظاہر زندگی مومنانہ نہیں، مگر اس کا قلب تو ہمیشہ کی طرح مومن رہے گا۔ اقبالیات کے محققین نے بھی یہ بات دلائل سے ثابت کردی ہے کہ علاّمہ کے خطاب کو قبول کرنے کی مصلحت دفاعی عمل تھا، کویں اس زمانے میں مسلمان عجیب افسردگی اور عقب ماندگی کا شکار ہو چکے تھے اور دوسری قومیں انگریز دوستی اور تعلیم کی تحصیل میں ترقی کر کے بہت آگے بڑھ چکی تھیں۔ حقیقت میں علاّمہ اقبالؔ ان مسائل سے بہت دور رہتے تھے، چنانچہ جب مہاتما گاندھی نے ۱۹۲۰ء میں علاّمہ اقبالؔ کو خط لکھا کہ آپ دانش گاہ ملی کی سرپرستی کو قبول کر کے اسے اپنی صحیح رہنمائی سے ترقی دیں، تو اقبالؔ نے جواب میں لکھا کہ اگرچہ میں مسلمان قوم کی تعلیم کی شدت سے حمایت کرتا ہوں، لیکن میں ان رقابتوں اور فضول کشمکشوں میں کام انجام نہیں دے سکتا۔

اس موقعے پر یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ بعض افراد غلط فہمی کا شکار ہوکر نوبل پرائز کے بارے میں ٹیگور اور اقبالؔ کو ایک دوسرے کا حریف قرار دیتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ اقبالؔ کو مسترد کر کے ٹیگور کو نوبل پرائز کا مستحق قرار دیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اقبالؔ کا نام کبھی رسمی طور پر نوبل کمیٹی کے سپرد نہیں کیا گیا تھا۔ ٹیگور، اقبالؔ سے ۱۸ سال بڑے تھے اور ۱۴ نومبر ۱۹۱۳ء کو ٹیگور کو نوبل انعام مبلغ ایک لاکھ دس ہزار سکہ ہند عطا کیا گیا، جو ٹیگور کی کتاب ''گیتانجلی'' کے انگریزی ترجمے اور ان کی سماجی خدمات کو پیش نظر رکھ کر دیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ علاّمہ اقبالؔ کے مقام میں نوبل انعام نہ ملنے سے، کوئی کمی نہ ہوئی۔